ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

اُردو نظم میں سرائیکی تہذیب وثقافت

Reflection of Saraiki culture and civilization in Urdu poem.

محمد شعیب

پی ایچ ڈی (اردو) سکالر، قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، ڈیرہ اسماعیل خان

ڈاکٹر حمید الفت ملغانی

اسسٹنٹ پروفیسر، قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، ڈیرہ اسماعیل خان

Muhammad Shoaib

PhD (Urdu) scholar, Qurtuba University of Science and Information Technology
Dera Ismail Khan

Doctor Hameed Ulfat Mulghani

Assistant Professor, Qurtuba University of Science and Information Technology
Dera Ismail Khan

Abstract

The lovely and rich Saraiki culture, civilization, and way of life that have been depicted in Urdu literature are examined and unearthed in this essay. Saraiki culture and civilization, with its lovely customs, values, and lively scent, are beautifully portrayed in Urdu literature, particularly poetry. Because of its lovely language, alluring rituals, rich traditions, and exquisite ways of living, Saraiki culture is quite unique. Urdu poets have skillfully woven all these lovely elements into their poetry. Poets have used exquisite language to depict Saraiki culture and daily life. This study investigates how Urdu poetry and Saraiki culture are related through a thorough analysis of several Urdu poems. Urdu literature is resonant with the rich and diverse Saraiki culture; themes like love, care, hospitality, pain, human sufferings, loss, nostalgia, social norms, resilience, passion, love for traditions, and celebrations of local traditions give rise to the substance of analysis. Through an analysis of the meaning underlying these poetic narratives, this research reveals a deeper relationship between Urdu literature and Saraiki culture. Saraiki culture has been woven into literary works as a love narrative because of its rich heritage and varied beauty.

برصغیر کی قدیم ترین زبانوں میں سرائیکی زبان کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کی قدامت کے بارے میں ماہرین لسانیات کے ہاں مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔ سرائیکی وادیٔ سندھ کی زبانوں میں شامل ہے۔ زمانی لحاظ سے یہ زبان بھی تغیر پذیر رہی ہے اور دیگر زبانوں کی طرح اس کے لہجے اور لفظیات میں تبدیلیاں وقوع پذیر ہوتی رہی ہیں۔ جس طرح مختلف ادوار میں اُردو زبان کے مختلف نام تبدیل ہوتے رہے ہیں اسی طرح سرائیکی زبان کے نام بھی تبدیل ہوتے رہے ہیں۔ ماہرین لسانیات کے مطابق سرائیکی زبان کی قدامت تقریباً تیرہ سو سال ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر طاہر تونسوی لکھتے ہیں:

> "سرائیکی زبان وادیٔ سندھ کی قدیم ترین زبان ہے اور اس کی لحہ موجود کی صورت اختیار کرنے کی مدت ایک محتاط اندازے کے مطابق تقریباً تیرہ سو سال بنتی ہے(۱)

جغرافیائی لحاظ سے سرائیکی زبان کے ساتھ مختلف نام منسوب رہے ہیں۔ سرائیکی کے یہ نام علاقوں کی مناسبت سے تھے۔ اس کو ملتان میں ملتانی، بہاولپور میں بہاولپوری، جھنگ میں جھنگوی اور ڈیرہ میں ڈیرے وال کہا جاتا رہا ہے۔ ڈاکٹر حمید الفت ملغانی لکھتے ہیں:

> "جغرافیائی حد بندی کے حوالے سے سرائیکی زبان کو ملتانی، بہاولپوری، اوچوی، ڈیرے وال، جھنگوی اور شاہ پوری کہا جاتا رہا ہے۔ ان تمام ناموں میں ملتانی زیادہ معروف ہونے کے سبب ملتانی کو سرائیکی سے موسوم کیا جاتا رہا ہے۔"(۲)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

سرائیکی زبان جغرافیائی اعتبار سے پاکستان کی مشترکہ زبان قرار پاتی ہے۔اس طرح یہ تمام صوبوں کو لسانی اعتبار سے ملانے کا سبب بھی ہے۔پنجاب، سرحد ،بلوچستان اور سندھ کے کئی علاقوں میں سرائیکی زبان علاقائی اعتبار سے کچھ تبدیلیوں کے ساتھ مستعمل ہے۔ڈاکٹر حمید الفت ملغانی کے مطابق:

"سرائیکی زبان کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ پاکستانی زبانوں کے وسط میں پائی جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ سرائیکی زبان کا تعلق ہر پاکستانی زبان کے ساتھ گہرا نظر آتا ہے۔یہ زبان پاکستان کے چاروں صوبوں میں بولی جاتی ہے اور چاروں صوبوں کے لوگوں کو ملانے کا ذریعہ ہے۔اس لیے اسے مرکزی زبان کی حیثیت حاصل ہے۔"(۳)

سرائیکی چوں کہ بہت قدیم زبان ہے۔اس لیے اس کی جڑیں اس خطے کی مقامی تہذیب میں پیوست ہیں۔وادئ سندھ کی تہذیب و ثقافت کی (جو کہ دراصل ہندوستان کی تہذیب کی قدیم صورت ہے) بہت سی اکائیاں سرائیکی تہذیب و ثقافت میں نظر آتی ہیں۔صوبہ پنجاب کے بہت سے علاقوں میں سرائیکی زبان بولی جاتی ہے۔وہ علاقے جہاں سرائیکی بولی جاتی ہے انھیں پنجاب کی "سرائیکی پٹی" کہا جاتا ہے۔سرائیکی زبان کا مرکز "ملتان" بھی پنجاب میں واقع ہے۔اسی مناسبت سے سرائیکی کو بہت عرصہ تک ملتانی کہا جاتا رہا ہے۔چوں کہ سرائیکی پنجاب کے مختلف علاقوں کے علاوہ دوسرے صوبوں میں بھی سمجھی اور بولی جاتی ہے۔اس لیے اس میں پاکستان کی مشترکہ تہذیبی و ثقافتی اکائیوں کی عکاسی بھی ملتی ہے۔اُردو نظم میں سرائیکی زبان کی تہذیب و ثقافت کے مختلف پہلوؤں کی پیش کش ملتی ہے۔احمد ندیم قاسمی کا ایک قطعہ "روایت" کے عنوان سے ہے۔اس میں انھوں نے جس تہذیبی اکائی کا بیان کیا ہے،وہ ایک لحاظ سے پاکستان کی مشترکہ تہذیبی اکائی بھی کہی جاسکتی ہے لیکن سرائیکی تہذیب میں اس کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔جب کوئی فوت ہوتا ہے تو سرائیکی تہذیب میں قبروں پر پھول ڈالنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔اسی طرح اگر کوئی جوان وفات پا جائے تو اس کی قبر پر سہرے رکھے جاتے ہیں۔احمد ندیم قاسمی اس بارے میں لکھتے ہیں:

قدموں کے نقوش ہوں کہ چہرے
قبروں کے گلاب ہوں کہ سہرے
تاریخ کے بولتے نشاں ہیں
تہذیب کے سلسلے رواں ہیں(۴)

سرائیکی تہذیب و ثقافت کے زیادہ نقوش دیہی زندگی میں نظر آتے ہیں۔پنجاب کے اکثر دیہات میں سرائیکی زبان بولی جاتی ہے۔دیہات میں زندگی کی رفتار شہروں کی طرز پر تیز نہیں ہوتی بلکہ یہاں ارتقائی عمل سست ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ دیہی علاقوں کی سرائیکی زبان اپنی تہذیبی و ثقافتی اکائیوں کے ساتھ وابستہ نظر آتی ہے ۔دیہاتوں میں اب بھی چوپالیں موجود ہیں جہاں گاؤں کے بزرگ مل بیٹھتے ہیں۔اس کے علاوہ چوپال میں بہت سے معاملات کے فیصلے بھی کیے جاتے ہیں۔اسی طرح سامان لادنے کے لیے بیل گاڑی کا استعمال ہوتا ہے اور زیادہ تر راستے کچے ہوتے ہیں۔سرائیکی تہذیب کے ان پہلوؤں کو مصطفیٰ زیدی نے اپنی نظم "پرچھائیاں" میں بیان کیا ہے:

اب بھی چوپال کے جینے کا پتا دیتی ہیں
بیل گاڑی کے چٹختے ہوئے پہیوں کی رگیں
نہ کوئی وقت کی قلت نہ گریزاں لمحے
وہی گو دھول، وہی ہم، وہی کچی سڑکیں(۵)

سرائیکی تہذیب میں بہت سی ایسی تہذیبی اکائیاں بھی نظر آتی ہیں جو پنجابی تہذیب میں بھی شامل ہیں۔مثال کے طور پر گاؤں میں فارغ اوقات بزرگ مل بیٹھتے ہیں اور حقہ پیتے ہیں۔حقہ پینے کی روایت سرائیکی تہذیب میں خصوصیت کے ساتھ چلی آرہی ہے۔اُردو نظم میں سرائیکی تہذیب کے اس پہلو کے بارے میں مصطفیٰ زیدی اپنی نظم پرچھائیاں میں لکھتے ہیں:

حسبِ معمول بڑے کنبوں کے دو چار بزرگ
ایک لاچار سے حقے کو لیے بیٹھے ہیں(۶)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

سرائیکی تہذیب میں میلوں ٹھیلوں کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ مصطفیٰ زیدی نے اپنی نظم "پرچھائیاں" میں سرائیکی تہذیب کے اس پہلو کو بیان کرتے ہوئے اس کی چند جزئیات کا ذکر کیا ہے۔ دیہاتوں میں میلوں کے لیے کچھ خاص دن مقرر ہوتے ہیں۔ ان میلوں میں دیگر سرگرمیوں کے ساتھ قصے کہانیاں بھی سنائی جاتی ہیں۔ مصطفیٰ زیدی اس پہلو کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اسی لُو ،دھوپ اسی سخت اُمَس کے بادصف
اب بھی منگل کو یہاں بیٹھ لگا کرتا ہے
سیکڑوں بار سنائے ہوئے قصے کو
اب بھی اک شخص بدستور کہا کرتا ہے
اور اس شخص کی آنکھوں میں بدستور ابھی
وہی بے زار سی اندھی سی چمک باقی ہے
اس کی داڑھی پہ دھلک جاتے ہیں اب تک آنسوؤں
اس کے چہرے پہ وہی غم کی کسک باقی ہے(۷)

بیٹھ سے مراد گاؤں کا میلہ ہے۔ جو منگل کے دن منعقد کیا جاتا ہے۔ نظم "پرچھائیاں" میں مصطفیٰ زیدی نے زمانی تغیرات کو موضوعِ سخن بناتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ تہذیبی اقدار تیزی سے تبدیل ہو رہی ہیں۔ پرانی اقدار کی جگہ نئی اقدار لے رہی ہیں جس کی بدولت تہذیبیں اپنی روایات سے کٹ رہی ہیں۔ وہ تہذیبیں، جو اپنی اقدار اور روایات کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں ان میں بھی تغیر پذیری کے امکانات نظر آ رہے ہیں۔ یہی حال سرائیکی تہذیب کا ہے۔ شاعر نے دیہاتی پس منظر کو بنیاد بناتے ہوئے اس پہلو کو اجاگر کرتے ہوئے لکھا ہے:

ایسا لگتا ہے دنیا کے افق زاروں پر
آج تک جنگ کے بادل کبھی منڈلائے نہیں
ایسا لگتا ہے کہ شہروں سے کبھی ڈان ژوان
ان الجھتی ہوئی راہوں کی طرف آئے نہیں
جانے کب تک رہے یہ دودھ سی بے داغ فضا
جانے کس وقت یہ خوابوں کی عمارت ڈھ جائے
اور تلسی کا یہ مغرور ذرا سا پودا
تیز کرنوں کی تمازت میں سلگ کر رہ جائے(۸)

پنجاب کی سرائیکی پٹی کی تہذیبی اقدار میں "ونگار" بھی شامل ہے۔ یہ بہت قدیم تہذیبی قدر ہے۔ "ونگار" کے پسِ پردہ محبت اور بھائی چارے کے جذبات نظر آتے ہیں۔ گاؤں والے مل جل کر کام کرتے ہیں۔ غمی، خوشی کے مواقع پر یہ لوگ اکثر اکٹھے ہوتے ہیں۔ "ونگار" (جو کہ ایک تہذیبی قدر ہے) کا نمایاں اظہار فصلوں کی کٹائی کے موقع پر ہوتا ہے۔ اس کو سرائیکی تہذیب میں ایک تہوار کی حیثیت حاصل ہے۔ (ونگار کی قدر پنجابی تہذیب میں بھی پائی جاتی ہے) فصلوں کی کٹائی پر گاؤں کے تمام لوگ ایک کھلے میدان میں جمع ہوتے ہیں۔ اس موقع پر ڈھول والے کی موجودگی ضروری سمجھی جاتی ہے۔ گاؤں کے نوجوان ایک دوسرے کے مقابلے میں فصل کاٹتے ہیں۔ کٹائی کا یہ عمل ڈھول کی تھاپ پر زیادہ تیز ہو جاتا ہے۔ اس دوران روایتی کھانوں کا انتظام کیا جاتا ہے۔ "ونگار" میں شریک لوگ بغیر کوئی معاوضہ لیے کام کرتے ہیں۔ ان کا کھانا اسی شخص

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

کے ذمہ ہوتا ہے جس کی ونگار میں یہ شامل ہوتے ہیں۔اُردو نظم میں دیہی زندگی کے اس پہلو کی پیش کش ملتی ہے۔ احمد ندیم قاسمی کا ایک قطعہ "سانولا سلونا" کے عنوان سے ہے۔وہ اس میں لکھتے ہیں:

ڈھول بجتے ہیں دھما دھم کی صدا آتی ہے
فصل کٹتی ہے، لچکتی ہے ،بچھی جاتی ہے
نوجواں گاتے ہیں جب سانولے محبوب کا گیت
ایک دوشیزہ ٹھٹھک جاتی ہے شرماتی ہے(۹)

ہر تہذیب میں کچھ خاص میلے یا تہوار منائے جاتے ہیں۔ سرائیکی تہذیب میں بھی چند میلوں اور تہواروں کو مقبولیت حاصل ہے۔ ان کی بدولت سرائیکی تہذیب کے بہت سارے رخ سامنے آتے ہیں۔مثال کے طور پر سرائیکی تہذیب میں "بیساکھی" کے میلے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ میلہ سالِ نو کے آغاز پر منعقد کیا جاتا ہے۔ دیہاتی زندگی میں اس کو اس لیے زیادہ اہمیت حاصل ہے کیوں کہ اس دوران فصل پک کر تیار ہو رہی ہوتی ہے اور دیہی زندگی میں معیشت کا انحصار فصلوں پر ہوتا ہے۔ اگر فصل اچھی ہو تو کاشت کار پورا سال آسودگی سے بسر کرتے ہیں۔ لیکن اگر فصل اچھی نہ ہو تو ان کو بہت سے مالی مسائل کا سامنا رہتا ہے۔ اُردو نظم میں "بیساکھی" کے میلے پر بہت سے شعراء نے لکھا ہے۔ تبسم کاشمیری نے "بیساکھی" کے عنوان سے ایک نظم لکھی ہے۔ نظم میں "بیساکھی" کے پس پردہ فکری رجحانات کی عکاسی کی ہے۔اس میں وہ جہاں گاؤں والوں کے فکری رجحانات کی وضاحت کرتے ہیں وہیں گاؤں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔ تبسم کاشمیری کی نظم "بیساکھی" دراصل بیساکھ کے پس پردہ فطری رجحانات کو نمایاں کرتی ہے:

لو پھر ہوا سالِ نو کا آغاز
پھر اور ہوا ہے رنگِ ہستی
پھر بدلے ہیں زندگی کے انداز
پھر جاگ اٹھے نئے ترانے
پھر تازہ ہوا ہے زیست کا ساز
لو پھر ہوا سال نو کا آغاز

دیہات میں اک نیا سماں ہے
ہر سمت بچھی ہوئی ہے مخمل
ہر گوشے میں فرشِ پر نیاں ہے
ہر ندی ہے سبیل و تسنیم
ہر جادہ راہِ کہکشاں ہے
دیہات میں اک نیا سماں ہے
دہقاں نہ کس لیے ہو مسرور

ہر دانہ ہے غیرتِ ستارہ
ہر شاخ ایک محفلِ نور
ہر خوشہ ہے روکشِ ثریا
ہر گوشہ ہے ایک وادیٔ طور

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

دہقاں نہ کس لیے ہو مسرور
نادار بنا امیر زردار

یوں ہلتے ہیں زرد زرد خوشے
جس طرح کھنک رہے ہوں دینار
برسائی ہے آسماں نے دولت
ہر سمت لگے ہیں زر کے انبار
نادار بنا امیر زردار(۱۰)

سرائیکی زبان کے حوالے سے شہر ملتان کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ ملتان کی نسبت سے ہی سرائیکی کو ملتانی کا نام دیا گیا ہے۔ ملتان کا شہر تہذیبی و ثقافتی لحاظ سے اپنے دامن میں بہت سی روایات کو چھپائے ہوئے ہے۔ برصغیر کے سیاسی اتار چڑھاؤ میں بھی اس شہر کو نمایاں اہمیت حاصل رہی ہے۔ یہاں بہت سے خاندانوں کی حکومتیں رہی۔ ملتان کی تہذیبی و تاریخی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ رنجیت سنگھ نے ملتان پر قبضہ کرنے کے بعد لاہور میں آٹھ روز تک جشن منایا اور اسی زمانے میں ملتان تختِ لاہور کے زیر نگیں آیا۔

ملتان کو صوفیانہ روایات کے اعتبار سے بھی انفرادیت حاصل ہے۔ صوفیائے کرام نے اس شہر کی تہذیب و تمدن پر اپنے گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ یہاں اب بھی بے شمار بزرگانِ دین کے مزارات موجود ہیں۔

ملتان طویل عرصہ حملہ آوروں کی زد میں رہا لیکن اس کے باوجود سرائیکی تہذیب کا یہ گہوارہ ترقی کی منازل طے کرتا رہا۔ ملتان ایک قدیم شہر ہے۔ اس کو قدامت کے اعتبار سے برصغیر کے تہذیبی پس منظر میں فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ ڈاکٹر حمید الفت ملغانی کے مطابق:

"ملتان کی قدامت اور تاریخ اس بات کی گواہ ہیں کہ اسے نہ صرف وادیٔ سندھ میں تہذیب و تمدن کا ایک بڑا مرکز شمار کیا جاتا رہا ہے بلکہ ملتان کے گرد و نواح میں موجود سرائیکی وسیب کے دیگر خطے بھی منفرد تہذیبی شناخت کے حامل ہیں۔"(۱۱)

ملتان کو سرائیکی تہذیب کا گہوارہ سمجھا جاتا ہے۔ یہاں کی معاشرت میں سرائیکی تہذیب و ثقافت کے رنگ نمایاں نظر آتے ہیں۔ ملتان کے گرد و نواح یا مضافات میں بھی سرائیکی تہذیب و ثقافت اپنے مختلف اور منفرد رنگوں کے ساتھ موجود ہے۔ سرائیکی تہذیب کے اس مرکز میں سرائیکی تہذیب و ثقافت کی مختلف انداز میں عکاسی ہوتی ہے۔ شورش کاشمیری کی ایک نظم "ملتان کا ثقافتی میلہ" ہے۔ اس نظم میں انھوں نے ملتان میں سرائیکی تہذیب کی نمائندگی کرتے ہوئے ایک میلے کو موضوعِ سخن بنایا ہے:

ناچ چھنا چھن ناچ۔۔۔۔۔ تاک دھنا دھن تاک

چاندی کی پازیب سے نغمہ چشمہ بن کر پھوٹ رہا ہے
من موہنی آواز کی لے پر دھرتی کا دل چھوٹ رہا ہے
تہذیبی اقدار کا جادو ٹوٹ چکا تھا ٹوٹ رہا ہے
درد کشانِ عیش کا حلقہ عصمت مینا لوٹ رہا ہے

عصمتِ مینا ناچ چھنا چھن۔۔۔۔۔ تاک دھنا دھن

چھل کے نین کٹورے توبہ رنگیں رنگیں ڈورے توبہ
قامت کیا؟ شمشیر کا عالم زلف نہیں زنجیر کا عالم
نزہتِ لالہ زار کا نقشہ لغزش بادہ خوار کا نقشہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

بہکی بہکی چال کا نقشہ لہکی لہکی چال کا صدقہ
بھاؤ بتا کر ناچ چھنا چھن نِرت جما کر ناچ چھنا چھن
ناچ چھنا چھن۔۔۔۔۔۔تاک دھنا دھن(۱۲)

اس نظم میں شورش کاشمیری نے ملتان کے ثقافتی میلے کے ایک پہلو کو نمایاں کیا ہے۔اس میں ایک عورت کا احوال بیان کیا گیا ہے جو پاؤں میں پازیب ڈالے رقص کر رہی ہے۔اگرچہ شاعر نے اس نظم میں رقص کے بعض منفی پہلوؤں پر بھی بات کی ہے جو کہ شاعر کا ذاتی نقطہ نظر ہے۔لیکن اس فکری رویے سے قطع نظر اس نظم میں سرائیکی ثقافتی میلے کی بہترین انداز میں عکاسی نظر آتی ہے۔سرائیکی تہذیب میں رقص کو اہمیت حاصل ہے۔ملتان کے پسِ منظر میں رقص کو اس لیے بھی زیادہ اہمیت دی جاتی ہے کیوں کہ اس علاقے میں تصوف کے اثرات بہت زیادہ ہیں۔بزرگانِ دین نے رقص اور موسیقی کو بھی عشقِ حقیقی تک رسائی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ قرار دیا ہے۔ملتان چوں کہ سرائیکی تہذیب مرکز رہا ہے اس لیے اس مرکز سے مضافات میں یہ تہذیبی رویے منتقل ہوتے رہے ہیں۔

احمد ندیم قاسمی نے اپنی نثر اور شاعری، دونوں میں پنجاب کی دیہی زندگی کے تہذیبی و ثقافتی نقوش اجاگر کیے ہیں۔پنجاب کے دیہات میں پنجابی اور سرائیکی تہذیبی اقدار نظر آتی ہیں۔چوں کہ ان دونوں زبانوں کے بولنے والے عرصہ دراز سے ایک ساتھ رہتے چلے آرہے ہیں اس لیے ان دونوں کے ہاں بہت سے مشترکہ تہذیبی و ثقافتی رویے پائے جاتے ہیں۔

احمد ندیم قاسمی نے سرائیکی اور پنجابی تہذیب و ثقافت کے متعدد پہلوؤں کو اپنی تخلیقات میں اجاگر کیا ہے۔ان کی ایک نظم "نوکری پر جاتے ہوئے" کے نام سے ہے۔نظم میں ایک ایسے نوجوان کا احوال بیان کیا ہے جو نوکری کے لیے دیہات سے شہر کی طرف سفر کرتا ہے۔اس دوران جب وہ گاؤں کو چھوڑ کر روانہ ہونے لگتا ہے تو دیہی زندگی کے بہت سے پہلوؤں کو یاد کرتا ہے۔اس نظم میں شاعر نے سرائیکی تہذیب کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے۔مثال کے طور پر شام ہوتے ہی نوجوانوں کا گھروں سے باہر نکل آنا اور کھیلنا کودنا، ہم عمر دوستوں کا گھنگھرو اور گلے میں "ٹلیاں" ڈال کر رقص کرنا اور اسی بہانے اپنی محبوباؤں کو اشارے کرنا۔اس میں شاعر نے سرائیکی تہذیبی رویے یعنی رقص کو خاص طور پر نمایاں کیا ہے۔رقص کے لوازمات میں گھنگھرو اور ٹلیاں شامل ہیں۔ان کا ذکر بھی نظم میں کیا گیا ہے۔مثلاً:

مجھے نہ بھولیں گی اپنے گاؤں کی ٹیڑھی میڑھی سی تنگ گلیاں
وہ شام پڑتے ہی تنگ گلیوں میں نوجوانوں کی رنگ رلیاں
وہ آنکھوں میں بولتے ستارے، وہ گالوں میں کھِلکھلاتی کلیاں
وہ پاؤں میں جھنجھاتے گھنگرو، گلے میں ٹنٹناتی ٹلیاں
وہ ناچ اور ناچ کے بہانے سے اپنے محبوب کو اشارے
دبی دبی مسکراہٹوں میں وہ لوٹ جانا خوشی کے مارے(۱۳)

سرائیکی تہذیب میں کبڈی کے کھیل کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔کچھ عرصہ قبل تک کبڈی کے باقاعدہ میلے منعقد ہوتے تھے۔ان میلوں میں لوگ دور دور سے سفر کر کے شریک ہوتے اور پہلوان ڈھول کی تھاپ پر کسرت کرتے تھے۔کسرت میں بھی زور آوری کی نمائش کی جاتی تھی۔کبڈی کے میلے دیہاتی لوگوں کے لیے بہت بڑی تفریح کا درجہ رکھتے تھے۔احمد ندیم قاسمی نے اپنی نظم "نوکری پر جاتے ہوئے" میں اس پہلو کو نمایاں کیا ہے۔وہ کبڈی کے کھیل کا احوال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مجھے نہ بھولے گا وہ کبڈی کے کھیل میں تن کے باہر آنا
وہ اپنے ہمراز دوستوں کو نئی نئی کسرتیں دکھانا
وہ ایک انداز سے مقابل کے نوجوانوں پہ مسکرانا
وہ برق بن کر تڑپتے جانا، بگولا بن کر لپکتے آنا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

وہ شانوں کے گول گول پٹھے وہ ابھرے اور لال لال سینے
نہ روح میلی نہ کھوٹ من میں، نہ بات بےرس نہ دل میں کینے(۱۴)

مندرجہ بالا بند میں شاعر نے کبڈی کے کھیل کے علاوہ دیہاتی لوگوں کے مزاج اور فطرت کو بھی موضوع سخن بنایا ہے کہ ان لوگوں کے دل صاف ہوتے ہیں اور ان کے من میں کسی کے لیے کوئی کھوٹ نہیں ہوتا بلکہ وہ سب کی بھلائی سوچتے ہیں۔

سرائیکی تہذیب میں بیساکھ کا میلہ دوسرے تمام میلوں میں نمایاں ہے۔ بیساکھ کی مناسبت سے مختلف مقامات پر بڑے میلوں کا انعقاد بھی ہوتا ہے اور مختلف علاقوں میں چھوٹی سطح پر بھی یہ میلے منعقد ہوتے ہیں۔ بیساکھ کے میلے فصلوں کی کٹائی کے موسم میں منعقد کیے جاتے ہیں۔ اس دوران گاؤں کے چھوٹے بڑے ہاتھوں میں درانتیاں پکڑے پکے ہوئی کھیتوں کا رخ کرتے ہیں۔ یہ دن بڑے زمینداروں کے علاوہ محنت کشوں اور مزدوروں کے لیے بھی باعث مسرت ہوتے ہیں۔ دیہی زندگی میں یہ خوشگوار دن ہر انسان کے لیے خوشیاں لاتے ہیں۔

"بیساکھ" کے موضوع پر بہت سے شعراء نے نظمیں کہی ہیں۔ مجید امجد کی ایک نظم کا عنوان "بیساکھ" ہے۔ وہ نظم میں فصلوں کی کٹائی کے ضمن میں ہونے والی سرگرمیوں کی وضاحت کرتے ہیں:

"بیساکھ آیا ، آئی فصلوں زائیوں کی رت
آئی حسین کلیوں کی برنائیوں کی رت
گاؤں کے مرد و زن نے اٹھائیں درانتیاں
آئی سنہری کھیتوں کی لائیوں کی رت
گندم کی فصل کاٹنے کے خوشگوار دن
محنت کشوں کی زمزمہ پیرائیوں کی رت
خوشوں کے بکھرے بکھرے سے انباروں کا سماں
کھلواڑوں کے نگاروں کی رعنائیوں کی رت
کھیتوں میں دھیمے قہقہوں کا موسم حسیں
رستوں پر گونجتی ہوئی شہنائیوں کی رت
دہقان کی امید کی بارآوری کا وقت
دنیا کی سوئے بخت کی انگڑائیوں کی رت"(۱۵)

پاکستان کی دیگر زبانوں کی طرح سرائیکی بھی ایک مکمل زبان ہے۔ ادبی لحاظ سے بھی اس زبان میں کاملیت نظر آتی ہے۔ سرائیکی میں نظم اور نثر دونوں صورتوں میں تخلیق کیا جانے والا ادب سرائیکی تہذیب و ثقافت کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کرتا ہے۔ سرائیکی شاعری میں بعض ایسی اصناف ہیں جو صرف سرائیکی ادب کی پہچان ہیں اور اس کی انفرادیت واضح کرتی ہے مثال کے طور پر دوہڑہ۔ دوہڑا سرائیکی نظم کی ایک صنف ہے۔ یہ روایتی طرز پر لکھا جاتا ہے۔ سرائیکی ادب کی اس صنف کے بارے میں ڈاکٹر حمید الفت ملغانی لکھتے ہیں:

"روایتی شاعری کی صنف دوہڑا سرائیکی ادب کی خاص پہچان ہے۔ دراصل دو بیت کی وجہ سے اس صنف کو دوہڑہ کہا جاتا ہے۔ چار مصرعوں پر مشتمل دوہڑہ کے چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ جن کی ایک مخصوص بحر ہوتی ہے۔ کئی شعراء نے چار سے زائد مصرعوں کو بھی دوہڑہ میں شامل کیا ہے۔"(۱۶)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

سرائیکی تہذیب میں دوہڑہ بہت مقبول صنف ہے۔ سرائیکی گائیکی میں دوہڑہ گانے کی روایت بھی عام ہے۔ اُردو نظم میں سرائیکی ادب کی اس صنف پر لکھا گیا ہے۔ سید ضمیر جعفری کی ایک نظم "عرش و فرش" ہے۔ اس نظم میں انھوں نے منگتو چُورن والے کا ذکر کرتے ہوئے دوہڑے کا حوالہ دیا ہے:

بربادی دل پر اب بھی دل اس طرح ملامت کرتا ہے
جیسے منگتو چُورن والا اپنا دوہڑہ دہرا جائے(۱۷)

سرائیکی ادب کی دیگر اصناف میں "ماہیا" بھی شامل ہے۔ سرائیکی میں لکھا جانے والا ماہیا سرائیکی تہذیب و ثقافت کی عکاسی کرتا ہے۔ سرائیکی کے ساتھ پنجابی زبان میں بھی ماہیے کی صنف کو مقبولیت حاصل ہے۔

سرائیکی کی اس مقبول صنف کی پیروی میں اُردو بھی ماہیے لکھے گئے ہیں۔ حیدر قریشی کی تحقیق کے مطابق "ہمت رائے شرما" پہلے شاعر ہیں جنھوں نے اُردو میں ماہیا لکھا۔ حیدر قریشی لکھتے ہیں:

"ہمت رائے شرما جی نے درست وزن کے اُردو میں سب سے پہلے ۱۹۳۶ میں ماہیے کہے تھے۔ اس لیے انھیں ابھی تک ماہیے کے بانی قمر جلال آبادی اور ساحر لدھیانوی پر اولیت حاصل ہے۔"(۱۸)

ماہیا چوں کہ لوک ادبی ورثے میں شامل ہے اور اس خطے کی مقامی تہذیب کا عکاس ہے۔ اس لیے اُردو میں لکھے گیے ماہیوں میں بھی سرائیکی تہذیب کی جھلک نظر آتی ہے۔ بعض شعراء نے اُردو ماہیے میں سرائیکی الفاظ کا استعمال بھی کیا ہے۔ مثال کے طور پر امجد اسلام کا ماہیا ہے:

ازلوں سے ماندی ہوں
جو مرضی صاحب کی
میں اس کی باندی ہوں(۱۹)

سرائیکی تہذیب میں "ڈاچی" کی تہذیبی اہمیت ہے۔ خاص طور پر چولستان اور روہی کی علاقوں میں لکھے جانے والے ادب میں لفظ "ڈاچی" کو علامت کے طور پر برتا جاتا ہے۔ امجد اسلام امجد نے اپنے ایک ماہیے میں ڈاچی کا ذکر مندرجہ ذیل انداز میں کیا ہے:

اک بھول نہ ہو جائیں
تری ڈاچی کے مڑنے تک
ہم دھول نہ ہو جائیں(۲۰)

سرائیکی زبان کے بعض ضرب الامثال اور محاوروں کو بھی اُردو شاعری میں برتا گیا ہے۔ مثلاً سرائیکی میں ایک ضرب المثل ہے "منہ نہ متھا، جن پہاڑوں لتھا"۔ سید ضمیر جعفری نے اپنی اُردو نظم "کلکتے کا بابو" میں اس سرائیکی ضرب المثل کا استعمال کیا ہے:

کلکتے کا بابو دیکھا
نام تھا اس کا لچھمن
کالے کالے بال
جیسے پٹ سن جال
کالا کالا متھا
منہ میں چونا کتھا
جن پہاڑوں لتھا(۲۱)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

سرائیکی اور پنجابی زبان میں بہت سے مشترک الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ ان میں ایسے الفاظ بھی ہیں جو سرائیکی میں خصوصیت کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر روزمرہ کی زبان میں لفظ "چیر" کا استعمال ملتا ہے۔ "چیر" کا لفظ بال بناتے یا کنگھی کرتے ہوئے "مانگ" نکالنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ سید ضمیر جعفری نے اپنی نظم "روشنی کی سرحد" میں لفظ "چیر" کا مندرجہ ذیل انداز میں استعمال کیا ہے:

نگر نگر جو من بنجارے، لڑکے بالے پھرتے ہیں
ایلے گیلے سرمہ ڈالے "چیر" نکالے پھرتے ہیں
گھبرو نوخیزوں کے رنگا رنگ رسالے پھرتے ہیں
چن مکھڑوں پر لمبے لمبے بالوں والے پھرتے ہیں(۲۲)

سرائیکی زبان کی تاریخ کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ ماضی میں بھی یہ زبان اہمیت کی حامل رہی ہے۔ سرائیکی زبان کو اپنی تہذیب و ثقافت کے لحاظ سے بھی منفرد حیثیت حاصل ہے۔ سرائیکی چوں کہ اس خطے کی مقامی زبان ہے اس لیے یہ اس خطے کی مقامی تہذیب و ثقافت کی عکاسی کرتی ہے۔

وادیٔ سندھ کی تہذیب کے مطالعہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس قدیم تہذیب کے بہت سے نقوش ایسے تھے جو اب بھی سرائیکی تہذیب میں پائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا نے اپنی کتاب کلچر کے خدوخال میں وادیٔ سندھ کی تہذیب کے پس منظر میں دریافت ہونے والی مہروں کی بنیاد پر جن تہذیبی نقوش کو اجاگر کیا ہے وہ سرائیکی تہذیب میں آج بھی موجود ہیں۔ مال مویشی پالنا، کھیتی باڑی کرنا، قصہ کہانی سنانا، غمی خوشی میں اکٹھے ہونا، دیہی سرائیکی تہذیب کی نمایاں اکائیاں ہیں۔ جغرافیائی اور لسانی مماثلت کی بنیاد سرائیکی اور پنجابی تہذیب میں بہت سے مشترک پہلو بھی نظر آتے ہیں لیکن اس کے باوجود سرائیکی تہذیب اپنی منفرد اقدار اور روایات کی بنیاد پر پنجابی تہذیب سے الگ وجود رکھتی ہے۔

تہذیب و ثقافت کی اردو ادب میں آئینہ داری سے واضح ہوتا ہے کہ سرائیکی تہذیب و ثقافت کے ادب پر اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اردو نظم میں موضوعاتی حوالے سے سرائیکی تہذیب و ثقافت کے متعدد پہلوؤں کی عکاسی ملتی ہے۔ اس کے علاوہ ہیتی اعتبار سے بھی سرائیکی ادبیات کی بعض اصناف اردو ادب پر اثر انداز ہوئی ہیں۔ اردو نظم پر لسانی اعتبار سے بھی سرائیکی زبان کے اثرات کی جھلک نظر آتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر: دیباچہ، مشمولہ، سرائیکی زبان دے قاعدے تے قانون، از ڈاکٹر مہر عبدالحق، ملتان: سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۴۔ ص ۵

۲۔ حمید الفت ملغانی، ڈاکٹر: پاکستانی زبانوں کا ادب، ملتان: بیکن بکس، ۲۰۱۷۔ ص ۲۵۵

۳۔ ایضاً۔ ص ۲۵۲

۴۔ احمد ندیم قاسمی: ندیم کی نظمیں، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۶۔ ص ۱۱۱۲

۵۔ مصطفیٰ زیدی: کلیات مصطفیٰ زیدی، لاہور: الحمد میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۸۔ ص ۴۹

۶۔ ایضاً۔ ص ۴۹

۷۔ ایضاً۔ ص ۵۰

۸۔ ایضاً۔ ص ۵۱

۹۔ احمد ندیم قاسمی: ندیم کی نظمیں۔ ص ۱۲۳۷

۱۰۔ تبسم کاشمیری: کلیات تبسم کاشمیری، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۸۔ ص ۲۵۴

۱۱۔ حمید الفت ملغانی، ڈاکٹر: سرائیکی افسانوی ادب، ملتان: رنگ ادب پبلی کیشنز، ۲۰۲۱۔ ص ۲۲

۱۲۔ شورش کاشمیری: کلیاتِ شورش، لاہور: الفیصل ناشران، ۱۹۹۳۔ ص ۳۳۶

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.2 2024

۱۳۔ احمد ندیم قاسمی: ندیم کی نظمیں۔ ص ۱۱۰۵

۱۴۔ ایضاً۔ ص ۱۱۰۵

۱۵۔ مجید امجد: کلیات مجید امجد (مرتب)، خواجہ محمد زکریا، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۴۔ ص ۲۲۶

۱۶۔ حمید الفت ملغانی، ڈاکٹر: سرائیکی افسانوی ادب۔ ص ۲۵۹

۱۷۔ ضمیر جعفری، سید: نشاطِ تماشا، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۳۔ ص ۹۱۹

۱۸۔ محمد حیدر قریشی: اُردو ماہیا، تحقیق و تنقید، لاہور: الوقار پبلی کیشنز ۲۰۱۲ء۔ ص ۳۳۵۔۳۳۶

۱۹۔ امجد اسلام امجد: ذرا پھر سے کہنا، لاہور: جہانگیر بک ڈپو، ۱۹۹۸۔ ص ۴۵

۲۰۔ ایضاً۔ ص ۴۵

۲۱۔ ضمیر جعفری، سید: نشاطِ تماشا۔ ص ۲۹۸

۲۲۔ ایضاً۔ ص ۳۲۹